تقیّہ

و

مُتعہ

(نکاح متعہ)

حقیقت کیا ہے؟

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

www.insaaniat.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حقیقت کیا ہے؟

تحقیق: الفقیہ الحکیم السیّد محمد احسن زیدی مجتہد

گزارش!

دینِ اسلام ،دینِ فطرت ،اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تعلیمات، نورِ اوّل رحمۃٌ لِلعٰلمین رسوؐل پاک کے کردار وعمل سے پہنچایا ہوا دین یعنی شریعت محمدؐی،شریعت سہلہ یعنی آسان ترین شریعت، ان تمام پر نہ تو کبھی اعتراض ہوا ہے نہ ہی کبھی سوال یا اعتراض قائم کیا جا سکتا ہے۔دین اسلام یا شریعت محمدؐی پر جتنے بھی اعتراضات اور دشنام طرازی ہوئی اس کی وجہ فقط نام نہاد علما اور علمائے سوء کے اعمال وافکار اور طرزِ زندگی ہے۔ ان نام نہاد علماء کو اسلام سمجھا جا تا رہا ہے۔انہیں اسلام کے اصولوں پر پرکھنے کے بجائے اسلام کو ان کے خودساختہ اصولوں پر پرکھا جا تا رہا ہے۔ان علما ہی کی وجہ سے اسلام اس وقت اقوامِ عالم کی نظروں میں شدت پسند، دہشت گرد طرزِ عمل کا نام بن گیا ہے۔نوبت یہاں تک پہنچی کہ دینِ اسلام اور اس کے پہنچانے والے معصوم نمائندے رسوؐل پاک اور آئمہ معصومینؑ جن کی پاکیزگی کی قسمیں اللہ وقرآن نے بار بار اٹھائی ہیں بھی اس دشنام طرازی سے محفوظ نہیں ہیں۔حقائق کو سمجھے بغیر ان نام نہاد علما کی غلط فہمیوں کو آگے بڑھایا جا تا رہا ہے۔ایک دوسرے پر طعن وتشنیع ،لعنت وملامت سے جذبات مجروح کئے جاتے ہیں۔ان غلط فہمیوں کی بنیاد پر دین اسلام مذاہب عالم کے سامنے ایک نا قابل عمل،شدت پسند اور مضحکہ خیز دین بن کر رہ گیا ہے۔

قرآن کریم گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مذہب ومسلک کے لوگوں کے دلوں میں ان کے مسلک کو زیبائش عطا کی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ''جو لوگ اللہ کے سوا

دوسروں کی عبادت کرتے ہیں انہیں دشنامی کا نشانہ نہ بناؤ۔ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی لاعلمی اور تمہاری پیدا کردہ دشمنی کی بنا پر اللہ پر دشنام طرازی کر بیٹھیں۔وجہ یہ ہے کہ ہم نے ہر مسلک کے لوگوں کے دلوں میں ان کے مسلک کو زیبائش عطا کی ہے۔جب یہ ہماری طرف رجوع کریں گے تو ہم ان کو حقیقت حال سے باخبر کر دیں گے'' (6/108)۔

تمام سابقہ مذاہب قابل تعظیم وتکریم ومحبت ہیں۔کیونکہ تمام سابقہ مذاہب ہی وہ زینہ ہیں جنہوں نے تکمیل اسلام تک ہمیں بلند کیا۔تمام مذاہب کے انبیا علیہم السلام پر ایمان لانا واجب ہے تمام سابقہ کتب حق ہیں۔حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ:۔

''اگر میرے لئے مسند قضا بچھائی جائے تو میں مسلمانوں کو قرآن سے، یہودیوں کو توریت سے، اہل انجیل کو انجیل سے اور اہلِ زبور کو زبور سے احکام دوں گا۔''

یہی حق کی دلیل ہے سوائے مولا علیؑ وعترت علیؑ کے جس پر کوئی عمل نہ کر سکا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔قرآن کریم نے سابقہ کتابوں کی تنسیخ نہیں بلکہ تصدیق کی ہے (18/37) قرآن میں تمام قائم رہنے والی کتابیں موجود ہیں (9/38)۔رسولؐ وآئمہ طاہرینؑ تمام مصحف طاہرہ کی تلاوت کرتے رہے ہیں (98/2)۔

آج سابقہ مذاہب میں اسلام کے جن بنیادی اصولوں سے اختلاف وانحراف نظر آتا ہے، جن کی وجہ سے دین کو طعن وتشنیع ودشنام طرازی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔وہ اُس وقت کے ماہرینِ مذہبیات وسیاسیات یعنی نام نہاد علما کے ملکی وقومی وحکومتی مصلحتوں اور ذاتی مفاد کی خاطر اپنے خود ساختہ اصول تھے۔جن پر آج بھی مذہب سمجھ کر عمل کیا جاتا ہے۔مذہب اسلام میں بھی یہی دستور عمل جاری وساری ہے۔غیر مسلم تو بہرحال با مذہب ہیں، ہمارا

مذہب تو بے مذہب دشمنوں سے بھی محبت و ایثار کا درس دیتا ہے۔ یہاں تک ارشاد ہوا ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔اس حکم میں انسان کے جذبات، احساسات، سانسیں اور زندگی جیسے قیمتی اثاثے شامل ہیں۔

ہماری تمام تحریروں میں عموماً اور اس کتابچہ میں خصوصاً ایسی اصطلاحات کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیق پیش کی جارہی ہے جن کی غلط تفہیم اور ان پر غلط عمل کرنے پر اسلام، مذہبِ محمدؐ وآل محمدؐ پر بھروسہ، اعتماد اور یقین مشکوک ہوا، تضحیک کا نشانہ بنایا گیا اور ان معصومؑ ہستیوں پر دشنام طرازی ہوئی۔اس کے برعکس جن انسانوں تک یہ پیغامِ حق پہنچا جو کہ متلاشی حق تھے۔وہ انسانی محبت، بھائی چارہ اور انسانی معراج کے لئے کوشاں ہیں۔

☆☆☆☆☆

تقیّہ

مسئلہ تقیہ میں '' تـقیّـہ '' کے جو معنی نام نہاد علما نے اختیار کئے اور جس طرح عوام کو سمجھایا اور عمل درآمد کروایا وہ پوری تعلیماتِ خداوندی اور پورے قرآن کی تردید کرتا ہے وہ کربلا کا مقصد، علیؑ کی محنتیں، انبیاء علیہم السلام کا مشن برباد کرتا ہے۔ رائج الوقت ''تقیّہ'' کے معنی ''مصلحت آمیز جھوٹ''، مختصر الفاظ میں ''دھوکہ'' کر کے دین کا 90% حصہ اسی جھوٹ اور دھوکہ بازی کی نذر کر کے ضائع کر دیا ہے۔ اصطلاحاً تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ:۔

> ''اپنے ایمان کو تہہ در تہہ چھپائے رکھنا، جان بچانے کے لئے کفار کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھنا، شدید خوف کی حالت اور برداشت کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں کلمہ کفر کہہ جانے کی اجازت۔''

مگر حقیقت میں تقیہ کے ان معنی اور اِس تعریف کا جو نام نہاد علما نے کی ہے کا اسلامی تعلیمات اور لغات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسلام کی مجموعی تنفیذ میں تدریج کا مدنظر رکھنا واجب و لازم و فرض و مفید تھا۔ اور اس اصول کو کلام اللہ و کلام معصومین علیھم السلام میں تقیہ فرمایا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ دین کی اشاعت و تبلیغ میں تقیہ کو کسی لمحہ نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ آئمہ معصومین علیھم السلام نے تقیہ کو بھی مکمل اور اپنا آبائی دین قرار دیا ہے۔ کہیں تقیہ کی اہمیت پر زور دینے کیلئے دین کے دس حصوں میں سے تقیہ میں دین کے نو (9) حصے موجود ہونا فرمایا ہے۔ مگر نام نہاد

علما کے یہاں اسلام کے کلیدی مسائل کو ہمیشہ تبدیل کرتے رہنے کا دستور رہا ہے۔ چنانچہ تقیہ کے معنی انہوں نے **مصلحت آمیز جھوٹ بیان کئے اور کہا کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ کی اجازت ہے۔ ورنہ تقیہ حرام ہے**۔ اور چونکہ ان لوگوں کو ہر غلط بات دین کے پردوں میں لپیٹ کر کہنا لازم تھی تا کہ مسلمان اُن کی بات کو اسلام کی بات سمجھیں۔ اس لئے ہر غلط بات کو قرآن کی آیات یا حدیث کی غلط تشریح کے ذریعہ مسلمانوں میں پھیلانا ضروری تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسئلہ تقیہ کے لئے بھی آیات و احادیث کو مروڑ کر فٹ کیا ہے۔ مگر اس حقیقت کو بھول گئے کہ لفظ'' تقیہ'' اور'' تقویٰ'' ایک ہی مصدر کے الفاظ ہیں۔ لہٰذا تقیہ کرنے والا شخص متقی ہوتا ہے۔ اور کسی مسلمان کو کسی بھی حالت میں تقویٰ ترک کر کے فاسق (قانون شکن) ہو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں تقویٰ پر جس قدر زور دیا گیا کسی دوسری عبادت یا عمل پر اُتنا زور نہیں دیا گیا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک غیر متقی شخص کا نہ ایمان قبول ہے نہ عبادت و اسلام کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کوئی تقیہ یا تقویٰ کو ایک لمحہ کیلئے نظر انداز کر دے وہ فاسق ہے۔ اور فاسق کی کوئی بات حتیٰ کہ گواہی بھی قابل قبول نہیں ہے (حجرات 49/6)۔

یعنی تقویٰ بھی امامت و ولایت کی طرح کسی حال میں ساقط و معاف نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ امامت و تقویٰ کوئی ایسی چیزیں ہونا چاہئیں جس پر ہر شخص آسانی سے ہر وقت عمل کر سکے۔ چنانچہ خطرات اور دقتوں کے عالم میں بھی امامت و ولایت مرتضوی پر ایمان رکھا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ ایمان ایک قلبی و ذہنی عمل ہے۔ یہی حال عمل کے میدان میں تقیہ کا ہے۔ یعنی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دین کی فلاں بات اگر بلا تمہید و تالیف قلب کہہ دی گئی تو

نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلے گا۔تو ہم پر واجب ہے کہ وہ تمام سامان فراہم کریں جسکے بعد ہماری تبلیغ قلوب کی گہرائی تک اُتر جائے گی اور کسی جانب سے انکار نہ ہوگا۔یہی تقویٰ اور تقیہ ہے۔ یعنی ایسے اقدامات کرنا جن کے بعد مخالفت اور بہانہ سازی کی تمام گنجائشیں ختم ہو جائیں اور تبلیغ کا نتیجہ اسلامی مقاصد کے حق میں نکلے۔یہ وہ فطری طریقہ اور انسانی و دینی ضرورت ہے جس سے مَفَر نہیں ہے۔لہٰذا ہماری تمام ناکامیاں اس وجہ سے سامنے آتی ہیں کہ ہم نے اپنے اقدامات میں بالکل یا کسی مقدار میں تقیہ کو نظر انداز کر دیا تھا۔یعنی سو فیصد متقی وہ ہے جو کبھی تقیہ نہ چھوڑے۔اور کبھی ناکام نہ ہو۔تقویٰ اور تقیہ کے لغوی معنی بھی بُرے نتائج سے ڈر کر عمل کرنا ہیں یعنی ایسا محتاط عمل جس کا نتیجہ اچھا ہو اور ذمہ دارانہ طرزِ زندگی پر منحصر ہو۔

قرآن میں تقیّہ کی اجازت:

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ O (3/28)

''مومنین، مومنین کے سوا کافروں کو اپنے حکمران نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔البتہ تقویٰ کی حدود میں رہنے کے لئے (متقی لوگوں کے لئے) جائز ہے۔مگر اللہ تمہیں اپنے نفس (نفس اللہ) سے بچنے کی تاکید کرتا ہے اور تمہیں اللہ کے نفس کے سامنے پلٹ کر جانا ہے۔''

اس آیت میں مسئلہ تقیہ بیان ہوا ہے۔آیت کے پہلے حصہ میں واضح حکم صادر فرما

دیا ہے کہ مومنین، مومنین کے سوا، کافروں کو اپنا حکمران نہ بنائیں اور جو کوئی مومن ایسا کریگا اس کا اللہ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اس آیت کے دوسرے حصہ میں مومنین کو مشروط اجازت دی گئی ہے۔ کہ مقاصدِ محمدؐ و آل محمدؐ کے حصول کیلئے اور انؐ کی پالیسیوں کو پروان چڑھانے کیلئے حق کو چھپانے والوں (کافروں) کی ولایت واقتدار وحکومت میں رہا جاسکتا ہے اور وہ دو کڑی شرطیں یہ ہیں۔

1) تقویٰ، پرہیزگاری، اپنے عمل اور اس کے نتائج کو تباہی سے بچانے کی حدود میں رہتے ہوئے درج بالا پالیسی یا تقیہ اختیار کیا جائے گا۔

2) پھر ایسے تقیہ کے حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے نفس (نفس اللہ) سے بچ کر رہنے کی تاکید فرماتا ہے۔ نفس اللہ یعنی حجت اللہ کے روبرو پہنچ کر تمہارا عمل درآمد صحیح نکلنا لازم ہے۔ تب بات بنتی ہے ورنہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔

اس آیت کے آخری حصہ میں فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ مومنین کے ہر دو طرح کے عمل درآمد اور ان کے نتائج، فیصلہ کے لئے نفس اللہ کے روبرو پیش ہوں گے۔ غلط عمل درآمد، غلط نتائج پر مواخذہ اور باز پرس ہوگی۔ صحیح عمل درآمد، صحیح نتائج کے اجر وثواب کا دارومدار بھی نفس اللہ کی رضا اور خوشنودی پر منحصر ہوگا۔ یعنی آخری فیصلہ امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی صادر فرمائیں گے۔

علامہ مودودی تقیّہ سے کیا سمجھے؟

’’25 یعنی اگر کوئی مومن کسی دشمنِ اسلام جماعت کے چنگل میں پھنس گیا ہو اور اُسے اُن کے ظلم وستم کا خوف ہو تو اس کو اجازت ہے کہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور کفار

کے ساتھ بظاہر اسی طرح رہے کہ گویا ان ہی میں کا ایک آدمی ہے۔ یا اگر اس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا تو اپنی جان بچانے کیلئے وہ کفار کیساتھ دوستانہ رویہ کا اظہار کر سکتا ہے۔ حتٰی کہ شدید خوف کی حالت میں جو شخص برداشت کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کو کلمۂ کفر کہہ جانے کی رخصت ہے‘‘ (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 244)

یہ تصور اور طرزِ فکر اوّلین ماہرین سیاسیات و مذھبیات نے تنخواہ دار اور ملازمانِ سرکار علما کے ذریعے ہماری قوم میں رائج کیا۔ ہماری اجتماعی زندگی کو تباہ کرنے کیلئے درج ذیل اقدامات کئے:۔

(1) نماز جماعت کو سنت قرار دیا۔

(2) پھر تین فرسخ کے اندر نماز جمعہ منع کیا۔

(3) جمعہ کو حرام پھر۔

(4) اختیاری اور غیر ضروری قرار دیا اور آخر میں۔

(5) جہاد حرام کر کے حکومت سے کہہ دیا کہ:۔

بے فکر ہو جاؤ، شیعہ قوم ہرگز تمہارے خلاف تلوار نہ اُٹھائے گی اور رفتہ رفتہ تلوار رکھنا حرام کر لے گی، ایسی دین پرور بنے گی کہ خوف کے وقت مروجہ تقیّہ کر کے دین کے صرف 1/10 حصہ پر عمل کرے گی۔ یزید و شمر جیسے ملعون پیدا ہوتے رہیں گے ان سے تعارض نہ کرے گی۔ البتہ فاتحہ و درود اور اپنے سینہ پر ماتم کر لیا کرے گی۔

شیعوں کے یہاں مسئلہ تقیّہ کے اغراض و مقاصد اور جواز پیش کرتے ہوئے ایک مثال دی جاتی ہے اور ہر عالم اس کا تذکرہ ضرور کرتا ہے۔

ایک شخص ہانپتا کانپتا دوڑتا ہوا آپ کے مکان میں داخل ہوجاتا ہے۔ (آپ جانتے ہیں کہ وہ شخص نیک نہاد، پابند صوم وصلوٰۃ وغیرہ ہے) ذرا دیر بعد ایک دوسرا شخص (کف بزبان، لال پیلا، عادی مجرم، وغنڈا) برہنہ تلوار لئے پہنچتا ہے دریافت کرتا ہے کہ ایسا ویسا ایک شخص یہاں سے گزرا یا اس گھر میں آیا ہے؟ میں اس کو جان سے ماردوں گا، وغیرہ وغیرہ وغیرہ۔ اس گفتگو کو نہایت دلنواز انداز میں بطور مقدمہ رکھ کر اب مولوی حضرات ایک عام سوال کرتے ہیں کہ'' بتایئے کیا آپ سچ بول کر اس نیک شخص، مظلوم و بے گناہ فرد کو موت کے منہ میں جانے دیں گے؟ یا تقیّہ (بمعنی جھوٹ) اختیار کر کے اس کی جان بچائیں گے؟''

قارئین غور فرمائیں کہ مذکورہ بالا ماحول صرف عقل کو ساتھ ملانے اور ہمدردی حاصل کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم کرنا ہے کہ کیا قرآن کریم نے کمزوری کے عذر سے تنفیذ دین نہ کر سکنے والوں کو جہنمی قرار نہیں دیا؟ کیا یہ نہیں بتایا کہ تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ اور کیا حدید (لوہا) کا نزول کمزور رہنے کا سبق دیتا ہے؟ (57/25)۔ آخری بات یہ ہے کہ کیا مادی قوت کی کمی، خوف جان و مال کا عذر مستقل ہے؟ کیا یہ نظام شہادت کو اس دنیا سے رخصت کر کے کربلا والوںؑ کو سراسر غلط ثابت نہیں کر دیتا؟ شہید ہونے کیلئے کیا پھر اہلِ خلاف اور غنڈے رہ جائیں گے؟ اور کیوں نہ ایسی پالیسی اور ایسا ذمہ دارانہ (متقی) طرزِ زندگی اپنایا جائے اور درج بالا پیش کردہ صورتحال کبھی پیدا ہی نہ ہو۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ:۔

''درحقیقت اللہ کے نزدیک تمام انسانوں سے افضل وہ شخص ہے جو حق کو محبوب

رکھتے ہوئے اس پر کاربند ہے۔خواہ ایسا کرنے میں وہ نقصانات اور غم واندوہ کے تہہ در تہہ بادلوں میں گھر جائے اور باطل کی طرف متوجہ تک نہ ہو خواہ وہ اس کے لئے فوائد وافزائش فراہم کرے'' (نہج البلاغہ خطبہ نمبر 123 مفتی جعفر حسین)۔

تقیّہ کی تعریف:۔

مادہ	مصدر	معنی
و۔ق۔ی	وَقَیٌ	بچنا، ڈرنا

اس خاندان کے مختلف الفاظ:

التَّقْوٰی، تقیّہ : بُرے نتائج سے ڈر کر عمل کرنا، یعنی ایسا محتاط طرزِ عمل جسکا نتیجہ اچھا ہو، (پرہیزگاری)

متقی : (پرہیزگار)

تَقَی، یتقی، تَقَیً، وَتِقاءٌ، وتقیَّۃ (پرہیزگار رہونا)

تقیّہ: قرآن اور احادیث کی روشنی میں تقیّہ جھوٹ بولنے، دھوکہ دینے اور جان بچانے کیلئے حقائق کے انکار کو نہیں کہتے۔ بلکہ اس طرزِ فکر وعمل کو کہتے ہیں جس میں پرہیزگاری وذمہ داری اپنا کمال دکھائے جو کام عام حالات اور مروجہ دستور وعمل میں ناممکن ہو اُسے تدریج کے ساتھ ممکن کر کے دکھائے۔ اسلامی مقاصد کے حصول کیلئے برے نتائج سے ڈر کر عمل کرنا، ایسا محتاط عمل کرنا جسکے نتائج ہمیشہ اچھے نکلیں۔ ایسے اقدامات کرنا جن کے بعد مخالفت اور بہانہ سازی کی تمام گنجائشیں ختم ہو جائیں اور اسلامی مقاصد حاصل ہوں۔ مزید سادہ الفاظ میں اسطرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے انتہائی مقاصد کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتے ہوئے جھوٹ، فریب اور دھوکہ بازی کی آمیزش کئے بغیر ان کے حصول کیلئے محتاط طرز

عمل اختیار کرنا، مضرات ونقصان سے بچ کر عمل کرنا تقیہ کہلاتا ہے اور اسلامی مقاصد میں سب سے بڑے دو ہی مقاصد ہیں دنیا اور آخرت میں کامیابی باقی تمام اعمال ان ہی مقاصد کے ذیل میں آتے ہیں اور دین یقیناً وہی شخص اختیار کرے گا جو آخرت میں گرفت یا جہنم کی آگ سے بچنا چاہتا ہو یا دوسرے الفاظ میں وہ آخرت کی اُس ابدی زندگی پر ایمان رکھتا ہو جو اِس دنیا کے بعد آنے والی ہے یعنی جس شخص کا آخرت پر ایمان ہو وہ یقیناً مستقل سزا سے بچنے کی فکر کرے گا اور تمام اعمال کو محتاط انداز میں بجالائے گا اور شریعت کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے یعنی جھوٹ، فریب اور دھوکہ بازی کی آمیزش کئے بغیر عملدرآمد کرے گا تاکہ انتہائی مقاصد کو کوئی نقصان نہ پہنچے اِس طرزِ فکر وعمل کو تقیّہ کہتے ہیں اور تقیّہ پر عمل کرنے والے کو متقی کہتے ہیں۔ وہ شخص اُن متقین میں شمار ہوجائے گا جنہیں قرآن متقی کہتا ہے۔

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ ہم بات کرنے سے پہلے اور ہر اقدام کرنے سے قبل نتائج پر غور کریں اور کوئی ایسا لفظ منہ سے نہ نکالیں، کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں، جس کا نتیجہ کسی حیثیت سے بھی مضر اور نقصان دینے والا ہو، اس طرزِ فکر کو تقویٰ کہتے ہیں۔ اس طرزِ فکر کے ساتھ ساتھ اگر آپ کا مطلوبہ نتیجہ معروف طریقوں سے نہیں نکلتا تو دینی بصیرت اور پیش پا افتادہ صورتِ حال میں ایسی راہ نکال لینا جو مطلوبہ نتیجے کی ذمہ داری لے لے، اس طرزِ عمل کو تقیّہ کہتے ہیں۔ چنانچہ تقویٰ اور تقیّہ ہر حال میں مومن کے وہ ہتھیار ہیں جن کے مقدر میں کامیابی ہی کامیابی لکھی ہے۔ اور جو اِن میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کردے اس کے لئے کسی نہ کسی منزل پر ناکامی مقدر ہے۔

تقیّہ کی مثالیں:

رسوؐل پاک کی اوّلین چالیس سالہ زندگی:

تمام انبیاء علیہم السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تقیّہ پر عمل کیا۔ اوّلین مخلوق، نورِ اوّل، رحمۃ للعلمین حضرت محمد ؐ مصطفیٰ اُس وقت بھی نبیؐ تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور طین کی حالت میں تھے۔ اُس وقت بھی نبیؐ اور صاحبِ کتاب تھے (جس طرح حضرت عیسیٰؑ صاحبِ کتاب نبیؑ تھے) جب انہیں نازل کیا گیا اس وقت سے لے کر اعلانِ نبوت تک رسوؐل پاک نے اوّلین چالیس سالہ زندگی اسی قانون تقیّہ کے ماتحت گزاری۔ بلا تصادم کامیابی سے بڑھتے رہے۔ معاشرہ کے ہر دوست و دشمن و اغیار سے صادق اور امین منوا کر چھوڑا۔ اعلانِ نبوت کے بعد آپؐ نے تقیّہ پر مفصل قوانین اور بیان دیئے (**جسے بعد کے ماہرینِ مذہبیات وسیاسیات نے تبدیل کر کے اسلام کو خود ساختہ، اپنی مرضی اور زبردستی کا دین بنا دیا**)۔ رسوؐل پاک کی اوّلین چالیس سالہ زندگی اسی بنیادی قانون کے تحت تھی ''خدا نے قانونی جبر سے لوگوں کو مومن بنانا پسند کیا ہوتا تو یہ لوگ ہرگز کسی کو خدا کا شریک نہ بناتے۔ چنانچہ آپؐ کو بھی ٹھیکہ نہیں دیا گیا کہ اگر یہ مومن نہ بنیں تو آپؐ سے بطورِ وکیل مواخذہ کیا جائے'' (6/107)۔

اعلانِ نبوت کے بعد اسلام کی تنفیذ میں تدریج۔

دین کے احکام کو شک وشبہ سے بلند تر رکھنے اور مشرکین عرب کی سیاست کو بے نتیجہ و بے اثر بنانے کیلئے آنحضرتؐ نے مسائل کی ترتیب میں اصولِ تدریج و تمہیل (مہلت) اختیار کی تاکہ مقاصدِ دینی واضح تر، مفید تر اور محکم تر ہو کر برآمد ہوں۔ اور اسی کو ہم نے تقیّہ و

تقویٰ کی ذیل میں بیان کیا تھا۔ آپؐ نے پہلے نمبر پر اپنی نبوت کے اقرار و اعلان کو ملتوی فرما دیا۔ اور پہلا اسلامی مطالبہ وحدانیتِ خداوندی کی صورت میں پیش فرمایا۔ باقی سینکڑوں فرائض و واجبات کو تقیّہ کی تدریجی منازل میں تقسیم کر دیا۔ تاکہ عوام و خواص بلا کسی مزاحمت اور دباؤ کے سمجھ کر اور خوشی خوشی اختیار کرتے چلے جائیں اور قریشی لیڈر مخالفت کا عام فہم بہانہ نہ پا سکیں۔ اور جو حضرات آنحضرتؐ کی تعلیم کے ماتحت اللہ کو یگانہ مان لیں گے۔ وہ بالواسطہ آپؐ کی نبوت کے ماننے والے بھی ہو جائیں گے۔ چنانچہ عرصہ دراز تک وحدانیت کی وضاحت کی ذیل میں انسانی وحدت و یگانگت اور حقوق اللہ و حقوق العباد اور اخلاق حسنہ کی تعلیم جاری رکھی۔ تمام طبقات اور مذاہب کے لوگ حضورؐ کی قوتِ قدسیہ سے مستفید ہوتے رہے۔ اپنی مرادیں پاتے رہے۔ بلاتفریق قوم و ملت آپؐ سب کیلئے مشکل کشاء اور پناہ بن گئے۔ مخالف محاذ فتح مکہ کے بعد میدان جنگ سے ہٹا تو لا الہ الا اللّٰہ کہہ کر اپنے متعین کردہ داخلی اور منافق محاذ کے ساتھ اسلام میں شامل ہو گیا۔ اور طے کر لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لا الہ الا اللّٰہ سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ اور وحدانیت سے آگے بڑھنے والے ہر لفظ اور ہر تعلیم کو پبلک میں شرک قرار دیا جائے۔ اور یہ بتایا جائے کہ دیکھو فلاں بات غیر ضروری ہے اور خاندان ہاشم کی حکومت اور اقتدار قائم کرنے کا پیش خیمہ اور تمہید ہے۔ اس کے بعد یہ کہا جائے گا اور پھر وہ کہا جائے گا اور یوں ہی رفتہ رفتہ علیؑ بن ابی طالبؑ کی جانشینی اور حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ یہ اور اسی قسم کی مشرکانہ و مشترکہ پالیسیاں تھیں جن کو ناکام کرنے کے لئے نہ صرف اقرار ولایت کو التوا اور مُناسب حالات کے سپرد کیا گیا۔ بلکہ نماز و روزہ و زکاۃ اور اقرار نبوت و رسالت کو بھی ملتوی کر دیا گیا۔ ذرا

سوچئے کہ نبوّت کے تیرہ سال مکہ میں گزرے۔ مدینہ میں آکر چھ سات سال کے بعد جنگ خیبر ہوئی۔ اس کے بعد کہیں حضرت ابو ہریرہ ایمان لائے۔ اور نہ معلوم ان کے ایمان لانے کے کتنے دن بعد رسوؐل اللہ نے ان کو یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جو بھی اقرار وحدانیت کرلے وہ جنتی ہے۔ ''**قولوا: لا الہ الا اللّٰہ و تفلحوا**''

قارئین یقیناً آپ کو تعجب ہوگا کہ شراب جو تمام اُمتوں میں حرام چلی آرہی تھی، توریت وانجیل نے جسے حرام لکھا تھا، اس کیلئے آخر تک قرآن میں لفظ حرام نازل نہ ہوا۔ اسے مدینہ کے اولین مسلمان حلال سمجھ کر پیتے اور نمازیں بھی نشے میں پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ دو شرابی صحابہ میں دوران نماز لڑائی ہوگئی تو شراب کو لفظ رجس کہہ کر شیطانی حربہ بنا کر اعلان نبوت سے انیس بیس (19 یا 20) سال کے بعد جو کچھ اللہ نے فرمایا اس میں نہ کوئی دھمکی ہے نہ سزا مقرر کی ہے نہ سخت الفاظ ہیں۔ بس یہ فرمایا گیا کہ اے مومنین یہ شراب وغیرہ شیطانی کاموں میں سے گندی چیزیں ہیں۔ لہٰذا ان سے اجتناب کرو۔ اور یہ سب چیزیں اس لئے ہیں کہ شیطان تم میں پھوٹ ڈالے۔ نماز سے روکے، ذکر خداوندی سے باز رکھے اور عداوت کو مستحکم کرے۔ کیا تم باز آجاؤ گے؟''

ہر آیت اور ہر بات (حدیث) اس انداز سے پیش کی جاتی تھی کہ جب بھی قوم (سورۃ الفرقان 25/30) کے جبر وتشدد سے محفوظ موقعہ ملے تو وہی آیات اور وہی احادیث جو سیاسی بصیرت کو اندھا رکھتی تھیں۔ کھلی کھلی حقیقت کی ترجمان بن جائیں۔ اگر تنزیل و تحدیث میں یہ خدائی حسن و تدریج نہ ہوتی تو اس قرآن کو مہجور کرنے والی رسوؐل کی قوم (25/30) نے قرآن کے متن کو بھی خاندان رسوؐل کی طرح قتل و تباہ کر دیا ہوتا۔ اسلامی

ریکارڈ کے جمع کرنے اور محفوظ رکھنے میں اگر یہ متقیانہ انتظام نہ ہوتا تو آج ہم قومی حکومت کی بھول بھلیوں سے باہر نکلنے اور حقیقت کے وسیع میدان میں آنے کے قابل نہ ہوتے۔ یہ کمال تھا آنحضرتؑ کے معصومؑ نظام کا۔اسی انداز سے برابر دین کی تشریحات جاری رہیں، جن سے عوام ہی نہیں بلکہ دشمنان اسلام بھی مطمئن رہے اور خواص بھی حقیقت واقعی تک پہنچتے رہے۔یہی تو وہ پالیسی تھی کہ فتح مکہ پر اعلان کیا گیا کہ جو کوئی اسلام کے بدترین دشمن ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کے لئے امن ہے جو کہ تقیہ کی بہت واضح اور عالمی مثال ہے۔جس سے طاغوت مطمئن اور خوش بھی ہو گیا اور الٰہی نمائندوں نے طاغوتی راہنماؤں اور ان کے ساتھیوں کو بھی مشخص کر دیا۔مگر افسوس کہ آج تک ان اسلامی پالیسیوں پر غور وفکر وتدبر نہ کیا گیا اور نہ ہی ان کو سمجھا گیا۔

حضرت سلمانؓ فارسی کا ایمان:۔

ایک اور عام اور قابلِ فہم وعمل مثال حضرت سلمانؓ فارسی کے ایمان کی ہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنا ایمان حضرت ابوذرؓ پر آشکار نہ ہونے دیا۔حدیث کے شیعہ ریکارڈ میں، علمائے شیعہ کی مسلّمہ حدیث بتاتی ہے کہ امام معصومؑ نے فرمایا کہ اگر جناب ابوؓذر غفاری کو وہ سب کچھ معلوم ہو جائے جو حضرت سلمانؓ فارسی کو علم ہے تو ابوذرؓ غفاری کے نزدیک جناب سلمانؓ واجب القتل ٹھہر جائیں۔

صوفیاء واولیائے کرام کا کردار وعمل:۔

صوفیائے کرام اور اولیائے کرام کا کردار وعمل تقویٰ اور تقیّہ کی اعلیٰ مثالوں میں سے ایک ہے۔رسولؐ پاک کے وصال کے فوراً بعد عرب معاشرہ نے علم کا دروازہ اپنے

ہاتھوں سے زبردستی بند کر دیا۔علم دشمنی کے ساتھ ساتھ آلِ محمدؐ پر سب وشتم اور برائیت کا اعلان کر دیا۔رسولؐ پاک کی معصومیت اور معجزات کا انکار کر دیا۔اصحابِؓ رسولؐ کو نظر بند کر کے تعلیمات معصومین علیہم السلام کو محدود کر دیا۔ان ناگفتہ بہ حالات میں اصحاب صُفّہ اوران کے پیروکار صوفیائے کرام اور اولیائے کرام نے مُروجہ دستور وعمل سے ہٹ کر تقویٰ اور تقیّہ کی اقصائے عالم میں اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

اس شعبہ کا مذہب حقیقتِ واقعی تھا۔اس میں پانی کی طرح ہر رنگ قبول کرنے اور پھر بھی بے رنگ رہنے کی فطرت تھی۔اُس نے ریاکارانہ عبادتوں کی خاموش مذمّت اپنا شعار بنایا۔مذہبی تعصب کی بیخ کنی شروع کی۔سرمایہ داری، دولت،طلبِ جاہ وریاست اور دنیاوی لذات کو ترک کرانے اور خوفِ خدا دلوں میں پیدا کرنے کا اہتمام کیا۔اُنہوں نے ظواہر پرستوں کے خلاف کہہ دیا کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی نعمتیں،حکومتیں اور عیش وآرام تمہیں مبارک۔ہم تمہیں بھی سلام کریں گے۔مگر دل سے اُس کے غلام بنیں گے،اُس کے اشاروں پر چلیں گے،جس نے کسی عمر اور کسی حال میں لذت دنیا کو نہ چکھا۔جو دنیا کو تین بار اور بار بار طلاق دیتا رہا،جس نے حلال لذات تک کو ترک رکھا،جس نے محنت ومشقت وریاضت کو دین بنا دیا،جس کے طرزِعمل نے مخالفوں کو دوست کہلانے کی ہمت دی،جس کے ایثار وقربانی کو محبت اور دوستی کی سند میں پیش کیا جاتا ہے۔وہ ہمارا والی ومولا ومرشد بن سکتا ہے جو فقیری کو حکومت پر ترجیح دے، دنیا بھر کی حکومت کو بھیڑ کی ناک سے نکلی ہوئی گندگی قرار دے،جس کی ایک شکستہ جوتی ساری دنیا کی شاہی اور دولت سے زیادہ قیمتی ہو، جس کے سامنے کوئی مفتی فتویٰ نہ دے سکتا ہو۔

اِس شعبے نے اُن تمام لوگوں کو جذب کرلیا جو فقہا اور مفتیوں اور قاضیوں کے ستائے ہوئے تھے۔ اُس نے وہ تمام سامان مہیا کرنے کی کوشش کی جس کی مدد سے نوجوان طبقہ دین کی طرف قدم قدم بڑھایا جاسکے۔ جو کام ڈنڈے اور حکومت کی طاقت سے نہ ہوسکتا تھا یہ شعبہ صرف اشاروں سے کرالیتا تھا۔ سردی اور گرمی کی اذیت، بارش کے تھپیڑوں ، دیکھنے والے باشرع لوگوں کے طعن وطنز سے بے نیاز، ہر حال میں مگن، کسی سے مدد کے خواہاں نہ کسی سے بات کرنے کی حاجت ۔کیا وہ اپنے بال بچوں، دل کے ٹکڑوں ، فدا کار حُسین شریکِ حیات کو بھول گئے ہیں؟ کیا ایسے جگر پاروں اور دل نوازوں کو بھولا جاسکتا ہے؟ دنیا کی تمام لذتیں اور لطف وکرم تمام آرام وآسائشیں یاد ہیں۔ نرم بستر گرم لباس یاد ہے۔ وہ نزلہ، بخار، نمونیا، موت سب کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب تمام مصیبتیں آفتیں خطرات اُن سے ڈرنے لگے ہیں۔ اُن میں اعلیٰ درجے کے تعلیم یافتہ لوگ بھی ملتے ہیں۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ چاہتے ہیں وہ اُس تمام دنیاوی سامان (جس کو اُنہوں نے چھوڑ دیا ہے) سے زیادہ قیمتی ہے۔ وہ کس بنیاد پر اتنے پُر یقین ہیں کہ اپنی زندگی اور اُس کے تمام متعلقات اور پوری کائنات کو تج دیا ہے؟ پلٹ کر نہ دیکھا اور اطمینان سے چل دیئے۔ یہ اطمینان کہاں سے ملا ہے؟ کس نے دیا ہے؟ اُنہیں معلوم ہے کہ ترکِ دنیا شرعاً منع ہے۔ اسلام سے خارج ہونے کی دھمکی کانوں میں گونجتی رہی بچوں کا رونا زوجہ کی فریاد دماغ میں ہیجان پیدا کرتی رہی۔ فرائض پکارتے رہے یقیناً کوئی اِن سب سے بڑا فریضہ سامنے ہے۔ کوئی دین ودنیا سے بھی زیادہ قیمتی اور پُر یقین حقیقت بالکل سامنے ہے کوئی ایسا حکم وحاکم سامنے ہے جس نے کہہ دیا ہے کہ:

''تمہیں سچ مُچ یہ دکھانا ہے کہ مجھے واقعی میرے بچے، میرے ماں باپ میرے اموال واسباب، میرے عزیز واقربا، دین ودنیا آپؑ سے زیادہ پیارے نہیں ہیں۔ میں حضورؑ کی رضامندی (خوشنودیِ امامؑ زمانہ عجل) حاصل کرنے کو مال وزر وزن وجائیداد وتجارت واولاد و آباواقربا اوراپنی ذات ونجات وبقا سے زیادہ چاہتا ہوں (9/20-24)۔ میں اُس مشن کا ممبر بننا چاہتاہوں جس میں اپنی پوری نفسیات فروخت کردی جاتی ہیں (2/207)۔ میں رضائے خداوندی کے حصول کیلئے دائرۂ سلامتی (حقیقی اسلام) میں داخل ہو جانے کی جرأت کررہا ہوں (2/208)۔ میں نے اس دنیا (طاغوتی نظام) کا کھیل تماشہ ہونا ثابت کر دینا طے کرلیا ہے(6/32)، (29/64)، (47/36)اور میں دنیا کے فریب اور دھوکے سے باہر نکل آیا ہوں (57/20)۔ میں حضرت عیسیٰؑ کے متبعین سے بڑھ جانا چاہتا ہوں (متی 10/36-37) (متی 19/16-24)۔ میں ناپاک مومنین میں سے نکل کر پاک اور مطّہر نظام کے ساتھ کھڑا ہونا چاہتا ہوں، یوں اِس شعبہ نے اللہ کا کیا ہوا وعدہ (3/179) پورا کرنا شروع کیا''

یہ لوگ مندروں میں چلے گئے اور مندر سے متعلق تمام ہندوؤں کو مسلمان کر کے نکلتے۔ اُن سے خوشی خوشی مسجدیں بنواتے اور رفتہ رفتہ چند کروٹوں کے بعد زمرۂ حق میں بھیج دیتے۔ یہ حضرات تمام مکاتیبِ فکر میں گھل مل گئے۔ اور قدم قدم جتنا ممکن ہوا حق کی طرف موڑتے رہے۔ سب سے خطرناک عقائد کو پہلے ڈانواں ڈول کرتے، صحیح عقیدہ سامنے رکھتے اور چھوڑ دیتے۔ بلا تصادم مذہبِ محمدؐ وآل محمدؐ کی تبلیغ کرتے رہے۔ اُنہیں تبلیغ کی

جلدی نہ تھی۔ وہ تمام عوام الناس کو مغالطہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے معذور و بے خطا سمجھتے۔ سب سے ہر حال میں ہمدردی وتعاون کرتے۔ اس شعبہ نے اہل باطل کے نظام کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ رفتہ رفتہ لوگوں کو بات کرنے، غور کرنے پر آمادہ کیا۔ بتدریج علمی گفتگو کے نام پر نازک بحثیں اور عقائد واعمال پر تنقید ہونے لگی۔ جن مسائل کے ذکر پر، جن سوالات کو سنتے ہی تلوار اور دُرہ دکھایا جاتا تھا اُن باتوں کو سننے اور نقائص پر غور کرنے کے لئے آمادہ کرنا پہلی منزل تھی جو اس شعبہ نے آسان کردی۔ وہ نفاق اور سرکشی کو جانچنے اور دشمن ودوست کو پہچاننے کے بے پناہ اصول برسرکار لاتے تھے۔ اُنہوں نے مسلمانوں میں وہ تمام صفات پیدا کیں جو نظام اجتہاد نے تباہ کی تھیں۔ سیاسی طرز فکر نے رسولؐ اللہ کے احکام کی بھی بے چون وچرا تعمیل نہ ہونے دی۔ اس شعبہ نے معجزات وکرامات وخرقِ عادات پر نہ صرف یقین دلایا بلکہ اپنے متبعین میں معجزاتی بصیرت وقدرت پیدا کی۔ اور تحریک کے سربراہوں نے ضرورت پڑنے پر متبعین کے ہاتھ پر معجزات جاری کئے اور ہر وہ بات منوا کر چھوڑی جو رسولؐ اللہ کے نام سے قبول نہ کی گئی تھی۔ تحریک کے اس شعبے نے زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھنا اور پھیلنا شروع کیا۔ تمام ممالک میں اُسی رنگ میں پہنچے جو وہاں موزوں تھا۔ نئے نام رکھے، نئی اصطلاحات جاری کیں، قرآن اور صاحبان قرآن کی تعلیمات جاری کیں، ناموں اور کاموں کو لفظی تعصب سے ملوث نہ ہونے دیا تاکہ لوگ اپنی چیز سمجھ کر اختیار کریں۔ اعلانیہ اور انڈر گراؤنڈ شعبوں کو مربوط رکھا۔ ہر دَور کے ہر مکتبِ فکر کو متاثر کرتے، اُن کے جمود کو حرکت میں لاتے، اُن کو اُن کے تصورات وعقائد کے پوشیدہ نقائص پر مطلع کرتے اور نئے تصورات کو جنم دیتے قبول کراتے۔ ہر مکتب فکر کو دھکیلتے، کروٹیں دیتے

اور بتدریج موڑ موڑ کر حق سے قریب کرتے۔ اُن کے دانشوروں اور ہونہار لوگوں کو اپنے اندر ضم کرتے چلے جاتے۔ ملک اور بیرون ملک یہ روحانی خلافت پھیل گئی۔ خرقہ پوش خلافتوں نے، خلافت باطلہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ یہ سلسلہ ہر کلیدی مقام تک سائے کی طرح جا پہنچا اور خود حاکمانِ وقت سے اپنے مقاصد کی تائید وتقویت حاصل کی۔ یہ خلافت ہر ملک میں آج تک جاری ہے۔ خلافتِ باطلہ جڑ سے اکھڑ گئی اور آج اُس کا قصہ بھی پرانا ہو گیا۔ لیکن یہ روحانی خلافت باوجود مخالفت کے جاری ہے اور اُس وقت تک جاری رہے گی جب تک ظہورِ حقؑ نہ ہو جائے۔

’’**تفسیر الامام العسکریؑ**‘‘ میں تقیہ پر مبنی چند روایات وواقعات درج ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ’اصحابِ عشرہ‘ پر مشکل میں گرفتار مومن کا جواب صفحہ 356، اسی طرح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دور میں امام وقت کی امامت پر سوال صفحہ 360، پھر مختلف ادوار میں رسولؐ اللہ کے بعد خیر الناس، خلافت وامامت پر سوالات صفحہ 360، امام حسن عسکریؑ کے زمانہ میں خلافت کے بارے میں ایک مومن کا دوسرے مومن کو جواب دینے کا سلیقہ بتانا صفحہ 364، ان سوالات کے جوابات، انتہائی عقل وشعور وتقویٰ کے معیار پر دیئے گئے ہیں۔ سچائی اور حقیقت سے انحراف نہیں کیا گیا اور پھر آئمہ طاہرینؑ نے ان جوابات کی تفسیر وتائید فرمائی۔ یہ جوابات چونکہ مخاطب دشمنوں کی عقل وشعور سے بالاتر تھے۔ اس لئے جاہل وبے وقوف مغالطہ کھاتے رہے اور اپنی بے عقلی اور جاہلیت کی بنا پر یہ اپنی ناکامی وخفت مٹانے کے لئے اس طرزِ فکر کو جھوٹ، دھوکہ بازی، جعل سازی اور فریب کا نام دیتے رہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان واضح مثالوں کے بعد لغات سے مصدری معنی کے خلاف کیا رسولؐ پاک کے اوّلین چالیس سال اور مذکورہ بالا اعلیٰ درجہ کے متقی حضرات کے تصورات و کردار اور عمل کو مصلحت آمیز جھوٹ، فریب یا دھوکہ قرار دیا جا سکتا ہے؟؟

حضرت علی علیہ السلام نے **ایمان کی تین علامتیں** تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

''ایمان کی علامت یہ ہے کہ جس موقع پر سچ بولنا تمہارے لئے نقصان کا سبب بنتا ہو اور جھوٹ تمہیں فائدہ پہنچاتا ہو وہاں **سچ** کو جھوٹ پر ترجیح دو۔ اور یہ بھی علامت ہے کہ تمہاری باتیں تمہارے **علم و عمل** سے بڑھ کر نہ ہوں، اور یہ بھی علامت ایمان ہے کہ دوسروں کی باتیں کرتے ہوئے اللہ کے سامنے ذمہ دار (متقی) رہو'' (نہج البلاغہ)

شہدائے کربلا علیہم السلام کا کردار اور عمل۔

درحقیقت کربلا ہی تمام انسانیت کیلئے آفاقی و عالمی مشعلِ راہ اور درس گاہ ہے۔ حجتِّ خدا کا کردار و عمل تمام انسانیت کیلئے نمونہ عمل ہے۔ حجتِّ خدا کی اتباع ہی میں انسانیت معراج حاصل کر سکتی ہے۔ یہ تمام قدرتیں انسانی وسعت میں رکھی گئی ہیں۔ شہدائےؑ کربلا نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی اتباع میں خدا کے دین کی خاطر لازوال قربانیاں پیش کیں اور رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ سے اپنا بھائی کہلوانے کا استحقاق حاصل کیا۔ دین اور حق کی خاطر جہاد اور شہادت کا اعلیٰ ترین سبق دیا اور انسانیت کیلئے فلاح کے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ یہ سمجھنا کہ جان کو خطرہ کی صورت میں تقیّہ بمعنی کلمہ کفر، مصلحت آمیز جھوٹ، فریب یا دھوکہ دیا جا سکتا ہے جب کہ دین کا 9/10 حصہ بھی تقیّہ پر

بنیاد رکھتا ہو، سید الشہداؑ امام حسین علیہ السلام اور باقی شہدائے کربلا علیہم السلام کی عظیم الشان توہین ہے۔ اگر یہی تصور درست ہے تو حجتؑ خدا کو دین کے 9/10 حصہ سے (معاذ اللہ) نابلد ماننا پڑے گا اور اپنے آپ کو، ناموس رسالتؐ اور رفقائے کار کو خطرات میں ڈالنے، شہادتیں پیش کرنے اور ناموسِ رسالت کی دربدر تشہیر معاذ اللہ سنگین غلطی تصور ہو گی۔ مگر یہ سب کچھ طاغوت اور طاغوتی تقیہ سے منزہ و مبرّا ہے۔

مصلحت آمیز جھوٹ کی مذمت۔

عبداللہ بن عطا کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ واقعہ سنایا کہ:۔

''کوفہ کے شیعوں میں سے دو شیعہ، شیعہ ہونے کی بنا پر گرفتار کئے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ حضرت علی سے تبّرا کریں۔ چنانچہ اُن میں سے ایک نے تبّرا کر دیا مگر دوسرے نے انکار کر دیا۔ چنانچہ جس نے حضرت علیؑ سے بیزاری کا اعلان کیا اُسے آزادی مل گئی اور جس نے علی مرتضٰی علیہ السلام سے وابستگی پر اصرار کیا اُسے قتل کر دیا گیا۔ یہ سن کر امام محمدؑ باقر نے فرمایا کہ:۔

''جس شخص نے حضرت علیؑ سے بیزاری کا اعلان کیا وہ **اپنے اُس دین** کا فقیہ تھا۔ اور جس نے حضرت علیؑ سے ہر حال میں وابستہ رہنے کا اعلان کیا وہ اپنے دین میں جنت حاصل کرنے میں عجلت کر گیا۔''

یہ حدیث چونکہ ہمارے نام نہاد علما کے مذہب کو اجاگر کر کے سامنے لاتی ہے۔ یعنی اہلبیتؑ کے لئے ہرگز زندگی کو خطرہ میں نہ ڈالا جائے اور ایک شریف و حقیقی شیعہ کو اُس لعنتی فقیہ سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے اس حدیث کو سہارا دینے اور مجتہد کو محفوظ رکھنے کے

لئے شیعہ مجتہدین نے کافی مرمت کی ہے، لکچر دیئے ہیں۔ اور کوشش کی ہے کہ اس طرح جان بچاتے رہنے والوں کو برا نہ کہا جائے۔ لہٰذا پہلے ایک بیان جناب علامہ محمد باقر مجلسی اور کمرئی کا سن لیں فرماتے ہیں کہ:۔

۔’’اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص جہالت اور نادانی کی وجہ سے تقیّہ کو ترک کردے، یعنی محمدؐ و آل محمدؐ سے وابستہ رہے تو اُسے اجر اور ثواب مل سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تقیہ کو ترک کرنا جائز نہیں رہا ہے۔‘‘ یہاں تک مجلسی کا بیان تھا۔ میں (کمرئی) کہتا ہوں کہ اس حدیث میں تقیہ کو ترک کر کے موضوع کو جہالت اور نادانی سے متعلق کرنا ہی ایک غلطی ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ کوئی شخص اپنے دین کے تحفظ کیلئے اپنی زندگی اپنے ہاتھ سے قربان کر رہا ہو۔ یہ جائز نہیں کہ اسے ایک ادنیٰ سے مسئلہ سے واقفیت نہ تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس نے اپنے خلوص اور فداکاری کے جذبہ سے ایسا موقعہ پیدا کرلیا کہ راہ خدا میں تیزی سے جنت میں داخلہ لے لیا۔‘‘

یہ دونوں بیان سامنے رکھئے اور سوچئے کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان یا ترقی یافتہ جانور مل سکتا ہے جو موت اور زندگی ہاتھ میں ہوتے ہوئے جان بچانے کو ترجیح نہ دے؟ یعنی ہر شخص بلا کسی تعلیم و تہذیب کے فطری طور پر اپنی جان بچاتا ہے۔ یہ جان بچانا کسی بھی اجر و ثواب کا حق دار نہیں بنا سکتا۔ اور اگر اس طرح جان بچانا اجر و ثواب کا مستحق بناتا ہے تو راہ خدا میں شہید ہونے والے تمام لوگوں کو خودکشی کا مجرم اور عذاب خداوندی کا مستحق ماننا پڑے گا۔ رہ گیا مسائل دین سے ناواقفیت کی بنا پر کہیں اچانک پھنس جانا۔ جیسا کہ جناب عمار یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ تھا یہ واقعہ نفاذ شریعت کے ابتدائی دور کا ہے اور اسلامی قوانین کی

تنفیذ کیلئے تدریج کا سلسلہ جاری تھا اور رعایتی قوانین کی گنجائش موجود تھی۔ ایسی حالت میں ازراہِ جہالت جان بچا لینا، اسے جائز فرما دیا گیا ہے لیکن حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم پر نفاذ ولایت علویہ کے ساتھ ہی شریعت و دین مکمل ہو چکا اور تدریجی قوانین کی رعایتیں ختم ہو گئیں اسلئے ہمیں معلوم ہے کہ۔

(1) ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں (2) ہمیں طاقتور رہنے (3) اور تحفظ کی تدابیر اختیار کرنے (4) اور وسائل حفاظت فراہم رکھنے (5) اور اشتعال انگیز رویہ سے باز رہنے اور (6) ملی راز و اسرار پوشیدہ رکھنے کے احکام ڈیڑھ سو سال سے ملتے چلے آ رہے ہوں (7) اور ہم خود اپنی لاپرواہی اور بداحتیاطی سے جان کے خطرہ میں پڑے ہوں (8) تو اب جان بچانے کے لئے وہ کام کر لینا جو دین و دنیا دونوں کو تباہ کر دے واقعی ایک نام نہاد عالم یا فقیہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ وہ سوچے گا کہ۔ ’’جان ہے تو جہان ہے‘‘۔ زندہ ہوں گا تو توبہ کر سکوں گا۔ نمازیں پڑھوں گا۔ کماؤں گا خیرات کروں گا۔ اللہ غفور الرحیم ہے آئمہؑ بڑے رحم دل حضرات ہیں معاف کر دیں گے۔ لہٰذا اُس فقیہ نے یہی کیا۔ ولایت محمدیہؐ پر معاذ اللہ تین حرف کہے اور خیریت سے گھر چلا آیا اور شاید وہ سب کچھ بھی کیا ہو جو ہم نے تجویز کیا۔ بہرحال اس کی توبہ قبول کرنا نہ کرنا اللہ کے ہاتھ میں رہا۔ اور اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ کہ مغفرت کے لئے محمدؐ کی طرف سے رضامندی و سفارش ضروری ہے (منافقون 63/5، محمدؐ 47/19، فتح 48/11)۔ لہٰذا یہ تو ثابت ہے کہ اُن دونوں نے باوجود سخت اور شدید ممانعت کے وہ جرم کیا جس کی سزا قتل مذکور ہو چکی ہے۔ اُس جرم کے بعد ایک اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ اور آئندہ دشمنوں کو اُس کے ذریعہ سے مزید جاسوسی میں مدد نہیں مل سکتی۔ وہ بھی اگر

چاہتا تو لعنت وتبرا اور ولایت محمدیہؐ سے بے زاری کے بعد زندہ رہتا۔ خواہ توبہ کرتا یا دشمن کا مددگار بن جاتا۔ لیکن اُس نے شارع عام پر ثابت کیا کہ وہ محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے جان دینا پسند کرتا ہے۔ اُن سے بے زاری کر کے دین ودنیا خراب کرنے کا مجرم نہیں بننا چاہتا۔ اُس فداکاری پر اسے امام علیہ السلام کی طرف سے جنت کی سند مل گئی۔ دوسرے شخص نے شارع عام پر ثابت کیا کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی ایسی پوزیشن نہیں ہے کہ ان کے لئے قربانی دی جائے۔ یہ بدترین نمونہ دیکھنے والے دشمنانِ آلِ محمدؐ کی ہمت افزائی کر کے اس نے لعنت وتبّرا کیا۔ محمدؐ وآل محمدؐ سے بے زاری کے عالم میں دنیا میں زندہ رہا اور دشمنوں کے لئے مزید تقویت کی مثال بن گیا۔

اس کے لئے امام علیہ السلام کا کسی اجر وثواب کا ذکر نہ کرنا، اسے اپنے مذہب حقہ کا محافظ بھی نہ کہنا حتّٰی کہ اسے اپنے (امامؑ کے) دین کا فقیہ (فَرَجُلٌ فَقِيۡهٌ فِيۡ دِيۡنِيۡ) بھی نہ کہنا بتاتا ہے کہ اُس نے اللہ ورسولؐ اور امامؑ کے دین کا تحفظ نہیں کیا بلکہ الٹا یہ کہنا کہ وہ شخص جس نے تبرا کر لیا وہ (اُس کے) اپنے دین کا فقیہ تھا (فَرَجُلٌ فَقِيۡهٌ فِيۡ دِيۡنِهٖ) اس ملعون کو مذہب حقّہ اثنا عشریہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اور مخالف مذہب کا فقیہ بنا دیتا ہے۔

قارئین کی وضاحت کیلئے ایک بار پھر عرض کرتے ہیں جیسا کہ تقیہ کے بارے میں غلط العام ہے کہ یہ ایک مصلحت آمیز جھوٹ ہے اور صرف بہر طور جان بچانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ قطعاً غلط ہے اور طاغوت کی ایک گھناؤنی سازش اور چال ہے اور الٰہی نظام پر کھلا بہتان ہے۔ اسلامی مقاصد کے حصول کیلئے ذمہ دارانہ عملدرآمد کے باوجود ایسے حالات آجائیں جس میں جہاد وشہادت وقربانی کی نوبت آجائے تو یہ جہاد وشہادت وقربانی

عین تقیّہ ہے۔ دھوکہ، جھوٹ جس سے دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں اسلام میں اسکی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ تقویٰ اور تقیّہ ایک نہایت ذمہ دار نہ پوزیشن کا نام ہے جس کا جھوٹ یا دھوکہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تقویٰ اور تقیّہ کے بارے میں حضرت علیؑ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا کہ:

1۔ اللہ کا تقویٰ اُس شخص کے تقیّہ کی طرح اختیار کرو جس نے اپنا دامن کمر سے لپیٹ رکھا ہو، دنیا کی وابستگی چھوڑ کر تنہا اور مجرد ہو گیا ہو۔

2۔ اور کمر کس کر نئی نئی کوشش کر رہا ہو۔

3۔ چستی اور چالاکی سے عمر بھر کی مہلت کا پروگرام چلا رہا ہو۔

4۔ اور غلطیوں سے ڈرتے ہوئے محتاط پیش قدمیاں جاری رکھے۔

5۔ اپنی قرارگاہ (منزل) پر نظر رکھے۔

6۔ اور اعمال کے انجام اور مصدر کو،

7۔ اور واپسی کے مقام کو سامنے رکھے ہوئے ہو۔ (منہاج الرسالہ صفحہ 49 حدیث 201)

تقیّہ کا اطلاق زندگی کے ہر شعبہ (معاشی، معاشرتی، دینی زندگی) پر ہوتا ہے تقویٰ اور تقیّہ پر عمل کرتے کرتے ہی انسان متقی بنتا ہے۔ بھلا متقی شخص کی سوچ، حکمت عملی، عملدرآمد اور منصوبہ سازی کیوں کر جھوٹ و دھوکہ پر مبنی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں تمام احکامات، عبادات و اعمال سے زیادہ زور تقویٰ پر دیا گیا ہے خاص طور پر روزہ کا حکم تو اسی کیلئے مخصوص ہے اور تمام انبیاءؑ و آئمہ معصومینؑ کی تعلیمات بھی اسی پہلو کو اجاگر کرتی ہیں۔ تاکہ مومنین نبوت کے دور سے ترقی کر کے امامت کے دور (ولایت علویہ) کی تعلیمات

میں داخل ہوسکیں جو کہ صرف اور صرف متقی لوگوں کیلیئے ہی مقرر ہے اور اسطرح حضرت علیؑ کو امام المتقین تسلیم کرنے کے قابل بن سکیں اور امام العصر والزمانؑ کے انصار و اعوان اور حضورؑ کی نصرت کرنے والوں میں شامل ہوسکیں۔ اس لئے ہم اللہ و امامؑ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں تقویٰ اور تقیّہ میں خلوص اور کمال عطا فرمائیں تا کہ ہم آزادانہ اور دل کی پوری رضا مندی کے ساتھ ہمہ وقت قائم آل محمدؐ کے حضور حاضر رہنے والوں میں شامل ہو جائیں اور معرفت امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے پاکیزہ رزق سے سیراب ہوں تا کہ کائنات کے ہر معاملہ میں آفاقی ہدایت کے مستحق وطلب گار رہیں اور طاغوت کو ناکام و نامراد کرنے کا باعث بنیں۔ آمین بحق معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔

والسلام

☆☆☆☆☆

مُتعہ (نکاحِ متعہ)

متعہ کے متعلق بھی دیگر کئی ایک مسائل کی طرح نام نہاد علما نے بہت سی غلط باتیں مشہور کر کے اس قرآنی مسئلہ کو ایک گالی اور شرمناک فعل بنا دیا ہے۔ حالانکہ یہ جنسیات کا وہ مسئلہ ہے کہ اس کے سامنے یہ مروجہ نکاح ایک شریفانہ فراڈ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے قارئین ہماری بات سے کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہے ہیں اور گھبراہٹ ہونی بھی چاہئے کیونکہ قرآنی نظام کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے اور طاغوتی نظام کو گلے لگا لیا گیا ہے۔ مگر جب قرآن کے حقائق قرآنی و فرقانی زبان میں سامنے آتے ہیں تو اپنی گمراہی و بے بسی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس حیرانی اور گراں خاطری کا سبب شریعت کے مسائل نہیں۔ بلکہ وہ مصنوعی خود ساختہ ذہنیت ہے جو ٹھیکیدارانِ شریعت اور نام نہاد علمائے شریعت نے صدیوں کی محنت سے دین اسلام کے خلاف تیار کی ہے۔ ہماری تصنیفات پڑھنے کے بعد مسلمان سر بلند کر کے چلنا اپنی شان سمجھتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اختلاف رکھنے والے بہت بڑے عالم جناب علامہ حافظ ابن قیّم اپنی بحث و نظر کو سمٹتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس بحث کو اگر مختصر کیا جائے تو صورتِ مسئلہ یہ ہے''

1۔ حضرات شیعہ کے نزدیک متعہ حلال ہے اور اس پر عملدرآمد جائز ہے۔

2۔اہل سنت کے نزدیک متعہ حرام ہے اور وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔

3۔ازروئے روایات (بخاری، مسلم، موطا وغیرہ۔احسن) ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ (اور کئی صحابہ بھی۔احسن) اسے حلال سمجھتے تھے۔اور اس کی حِلّت (حلال ہونے) کا فتویٰ دیتے تھے۔چنانچہ اُن میں اور حضرت عمرؓ میں اس بارے میں ایک مرتبہ سخت گفتگو بھی ہوگئی تھی۔لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا (یعنی حضرت عمرؓ کا سختی سے حکم دینا بھی نہیں مانا۔ احسن) اس پر حضرت عمرؓ نے برہم (غصہ) ہوکر فرمایا۔''تم متعہ کرکے دیکھو پھر میں تمہیں بتاؤں گا۔'' (زادالمعاد جلد 4 صفحہ 72)

اب ہم اپنے قارئین کو وہ حکم نامہ دکھاتے ہیں جس کی بنا پر قرآن کریم کے دو حکم باطل اور حرام کر دیئے گئے۔یہ بھی واضح کر دیں کہ یہ فرمان خلافت دوئم کا آدھا دور گزر جانے کے بعد جاری اور نافذ العمل ہوا تھا۔

خلیفہ ثانی جناب حضرت عمرؓ ابن خطاب کا فرمان۔

قَالَ مُتعتَانِ کَانتَا عَلٰی عَھدِ رَسُوْلِ اللّٰہ وَاَنَا اَحرَ مُھُمَا وَاَعَاقِبُ علیھما. (دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہا کہ)

اِنَّ عمرؓ قَالَ فی خطبۃٍ متعتان کانتا عَلٰی عھد رسولؐ اللّٰہ اَنَا اَنھَی عَنھُمَا وَ اَعَاقِبُ عَلَیھما ۔(تفسیر درمنثور جلد 2 صفحہ 140، تفسیر کبیر جلد 3

صفحہ 200، تفسیر کشاف جلد 2 صفحہ 360، انوار اللغۃ، پارہ 24 صفحہ 9)

''حضرت عمرؓ نے اعلان فرمایا کہ رسولؐ اللہ کے زمانہ میں دو متعہ کئے جاتے تھے (حج کا متعہ اور عورتوں سے متعہ جائز تھے) اور میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور دونوں قسم کے متعہ کرنے والوں کو سزا دوں گا۔''

(دوسری روایت یوں بھی ہے)

''یقیناً حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ **دو متعہ عہد رسول میں ہوتے رہے ہیں**۔ میں اُن دونوں قسم کے متعہ کی ممانعت کرتا ہوں اور ان دونوں کے کرنے والوں کیلئے سزا دیا جانا طے کر چکا ہوں''

قارئین آپ اس فرمان کو دوبارہ غور سے پڑھیں۔ **یہ اعلان بذات خود متعہ کے جواز پر ایک مستحکم دلیل ہے اور مزید وضاحت و تحقیق نہ بھی کی جائے تو یہی بیان ہی مقصودِ مقدمہ ہے**۔ اسی سے متعلق کتاب مستطرف ابن اخطب خوارزمی میں ایک مکالمہ تحریر ہے کہ قاضی یحییٰ ابن اکثم نے مدینہ کے کسی بزرگ سے دریافت کیا آپ کس دلیل سے متعہ کو جائز سمجھتے ہیں؟ بزرگ نے کہا کہ ہمارے لئے حضرت عمرؓ کا اعلان ہی متعہ کے جواز پر کافی مستحکم دلیل ہے۔ اس بزرگ نے کہا:

''حضرت عمرؓ سے یہ خبر صحیح طریقہ پر بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے منبر پر اعلان کیا تھا کہ **یقیناً اللہ و رسولؐ نے دو متعہ اُمت کیلئے حلال کئے تھے** اور میں ان دونوں کو

باکلیہ حرام کرتا ہوں۔بس ان کی یہ گواہی کہ دومتعہ اللہ ورسولؐ نے اُمت کیلئے یقیناً حلال کئے ہیں۔ہمیں قبول اور منظور ہے۔رہ گیا دونوں قسم کے متعہ کوحرام کرنا یہ ان کا اپنا ذاتی قول ہے جسے ہم رد کرتے ہیں۔''

جناب حضرت علیؑ کا ردعمل :

خلیفہ ثانی کے اس فرمان سے اختلاف کرتے ہوئے مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی لسان الصدق سے مختصر مگر جامع الفاظ میں فرمایا:۔

''اگر حضرت عمرؓ لوگوں کو متعہ سے منع نہ کرتے تو قیامت تک سوائے شقی و بد بخت کے کوئی دوسرا زنا نہ کرتا۔''

یہ بھی فرمایا کہ:۔

''متعہ رحمت ہے اور اللہ کا احسان ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کیا ہے''۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں سوائے حضرت علیؑ کے اور کوئی صحابی قولاً وفعلاً حضرت عمرؓ کی مخالفت کی ہمت و جرأت نہ رکھتا تھا۔حضرت علیؑ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی تشدد کے باوجود متعہ پر اعلانیہ عمل جاری رکھا۔

(بخاری جلد 1 کتاب المناسک باب التمتع ۔۔۔صفحہ 213-212)

جن لوگوں نے متعہ کو ناجائز یا حرام قرار دیا ہے اس سے معاشرے پر مرتب ہونے والے دوررس اثرات عین اللہ حضرت علیؑ مشاہدہ فرما رہے تھے۔

معاشرہ میں آج بھی شقاوت و بدبختی اور رحمت واحسان سے محرومی دیکھی جاسکتی ہے۔ایسے ذمہ دارلوگوں کے نامۂ اعمال بالواسطہ یابلاواسطہ کم ازکم وقت المعلوم تک کھلے رہیں گے۔

شیعہ علمامیں سے بھی کچھ نام نہادعلما اسے حرام قرار دے کران کے ساتھ شامل ہوگئے ہیں۔اور کچھ نے اس شرعی مسئلہ کی شرائط واصول وضوابط کو سمجھے اور عمل کئے بغیر اس کے مختلف نام اور اصطلاحیں ایجاد کر کے شتر بے مہار کی طرح اختیار کیا ہے۔اور زمانہ جاہلیت کے مشرک ومخلوط النسل معاشرہ کی طرز پرخود ساختہ اصولوں پرعمل کرتے ہوئے باقاعدہ بدکاری کے اڈے بنالئے ہیں اور شیطان کا آلہ کاربن کرجنسی بے راہ روی کوفروغ دے رہے ہیں۔

متعہ کے جواز پر چندروایات۔

متعہ کی شرائط واصول وضوابط بیان کرنے سے پہلے اس کے جواز میں چندایک روایات اوردیکھ لیں۔

ا۔امام مالک کی کتاب ''موطا'' میں علامہ زرقانی کے بیانات کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

''ف:۔آئمہ اربعہ (مالک،ابوحنیفہ،شافعی،احمد بن حنبل)اور جمہور علما کے نزدیک متعہ ناجائز ہے۔

1۔اوائل اسلام میں متعہ درست تھا۔ 2۔پھرخیبر کے روزحرام ہوا۔

3۔ پھر عمرۂ قضا میں درست ہوا۔ 4۔ پھر فتح مکہ کے روز حرام ہوا۔

5۔ پھر جنگِ اوطاس میں درست ہوا۔ 6۔ پھر حرام ہوا۔

7۔ پھر تبوک میں درست ہوا۔ 8۔ پھر حجۃ الوداع میں حرام ہوا۔

اس بار بار کی حِلت اور حرمت سے لوگوں کو شبہ باقی رہا۔ بعض لوگ متعہ کرتے تھے بعض نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں بھی ایسا ہی رہا اور حضرت عمرؓ کے اوائل خلافت میں بھی یہی حال رہا۔ بعد اس کے حضرت عمرؓ نے اس کی حرمت برسرِ منبر بیان کی۔ جب سے لوگوں نے متعہ کرنا چھوڑ دیا۔ مگر بعض صحابہ اس کے جواز کے قائل رہے جیسے۔

1۔ جابر بن عبداللہ اور۔ 2۔ عبداللہ بن مسعود اور۔ 3۔ ابوسعید اور۔ 4۔ معاویہ اور۔ 5۔ اسما بنت ابو بکر اور۔ 6۔ عبداللہ بن عباس اور۔ 7۔ عمرو بن حویرث اور۔ 8۔ سلمہ بن الاکوع۔ اور تابعین میں سے بھی ایک جماعت جواز کی قائل رہی ہے۔''

قارئین آپ نے دیکھا کہ اس بیان میں جناب رسولؐ خدا پر تہمت لگائی گئی ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے ایک فعل حرام کو چار مرتبہ حلال کیا اور چار بار حرام کر دیا۔ ہم ان علما و مؤرخین و محدثین سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جناب وہ کونسی آیت یا آیات ہیں جن کی بنیاد پر (معاذ اللہ) متعہ چار بار حلال و حرام ہوتا رہا؟ یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس چوہرے یا چار گنا حرام فعل کو مشکوک و مشتبہ صورت

میں چھوڑ مرنا نبوت اور پہلی خلافت اور خود حضرت عمرؓ کی خلافت کو مجرم بنا دے گا۔

2۔حضرت علامہ محمد اسماعیل بخاری مؤلف صحیح بخاری جنہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے پانچ لاکھ بیانوے ہزار احادیث ترک کر کے صرف آٹھ ہزار کے قریب احادیث کا انتخاب کر کے اپنی کتاب میں جمع کیا تھا۔ اس احتیاط والتزام کے باوجود کتاب النکاح باب نکاح متعہ پارہ 21 میں عبداللہ ابن عباس، سلمہ بن الاکوع اور فوجی قاصد والی روایات سے متعہ کا جواز ثابت ہے۔

3۔امام مسلم بن الحجاج نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں کتاب النکاح باب نکاح المتعة میں سات عدد احادیث متعہ کے جواز میں جمع کی ہیں۔

4۔حج کا متعہ۔حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق عہد رسولؐ میں دو متعہ ہوتے تھے اور انہوں نے دونوں قسم کے متعہ کو حرام کر کے ان پر سزا دینا طے کر دیا تھا۔تو اس کے بعد یہ کہنا کہ وہ تو پہلے سے حرام تھے یا ان میں سے کوئی ایک حرام تھا غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک متعہ کو حرام کیا تھا دوسرے کو حرام نہ کیا تھا غلط ہے۔مگر حضرت فاروقؓ سے ادھوری عقیدت رکھنے والوں کے بیانات سے حج کے متعہ کو جائز رکھنے کی کوشش ہر حدیث کی کتاب میں ملے گی اور یہ اس لئے کہ اہلسنت کے چاروں اماموں نے حضرت عمرؓ کی حج کے متعہ میں پرواہ نہیں کی اور اس کو جائز رکھا ہے۔باوجودیکہ حضرت عمرؓ نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا۔

☆☆☆☆☆

" حقیقتِ مُتعہ "

حلال محمدؐ حلال الٰی یوم القیامۃ وحرام محمدؐ حرام الٰی یوم القیامۃ (تمام کتب حدیث)

ترجمہ۔ حضرت محمدؐ کا حلال کیا ہوا قیامت تک حلال ہے اور حضرت محمدؐ کا حرام کیا ہوا قیامت تک حرام ہے۔

لفظ ''مُتعہ'' کے لغوی معنی۔ (فیروز اللغات صفحہ 6)

1۔مَتَّعَ۔کسی چیز سے مدت تک فائدہ اٹھانے دینا۔

2۔اَمُتَعَ ۔کسی چیز سے فائدہ اٹھانا۔

3۔تَمَتَّعَ۔ اَمُتَتَعَ۔مِتَع۔کسی چیز سے فائدہ اٹھانا، فائدہ۔لطف۔استعمال۔

4۔متاع۔سامان زندگی۔

5۔اِسُتِمتاَع ۔لطف۔فائدہ۔

ان الفاظ کو ذہن میں رکھتے ہوئے سورۃ النساء کی آیت 24 پر غور فرمائیں۔

فَمَا اسُتَمُتَعُتُمُ بِهٖ مِنُهُنَّ فَاٰتُوُهُنَّ اُجُوُ رَهُنَّ فَرِيُضَةً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيُكُمُ فِيُمَا تَرٰضَيُتُمُ بِهٖ مِنُ بَعُدِ الُفَرِيُضَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيُمًا حَكِيُماًo

ترجمہ۔ ''چنانچہ جس مال کے بدلے میں تم عورتوں سے جنسی فائدہ اٹھاؤ وہ مال

ان کو بطورِ اُجرت ادا کر دینا فرض ہے اور جنسی تعلق اور اس کی اجرت وغیرہ کے لئے جو کچھ تم نے پہلے طے کیا تھا اس میں باہمی رضامندی سے ہر قسم کی تبدیلی کرنے میں تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ تم جو کچھ بھی کرو یہ سمجھتے ہوئے کرو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر بات کا جاننے والا حکیم ہے۔''

عقدِ مُتعہ کی تعریف۔

عقد مُتعہ وہ عقد ہوتا ہے جس میں مرد اور عورت باہمی رضامندی سے اُجرت (اُجُوْرَھُنَّ) مقرر کرنے کے علاوہ مدت بھی متعین کرتے ہیں (**اگر مدت مقرر نہ ہوگی تو وہ عقد مروجہ نکاح (جو غلط تصور اختیار کر کے) دائمی نکاح یا عقد کہلاتا ہے**)۔ اس لئے کہ مروجہ نکاح کے بعد کسی وقت بھی طلاق دے کر علیحدگی ہو سکتی ہے۔ اچانک طلاق کا خوف ہی وہ شے ہے جو عورت اور اولاد کو ہمہ وقت متاثر رکھتی ہے۔ معصومؑ فرماتے ہیں:

''عقد متعہ کی بنیادی شرطیں ہیں۔ 1۔ مدت کا تعین کرنا۔ 2۔ اُجرت کا تعین کرنا۔ متعہ رحمت ہے۔ خداوند کریم نے نشہ آور چیزوں کو حرام کیا ہے مگر متعہ کو حلال کیا ہے۔ متعہ صرف اس شخص کے لئے حلال ہے جو اس کے قوانین وضوابط (معرفت) سے آگاہ ہو اور اس پر حرام ہے جو اس کے قواعد وضوابط نہیں جانتا۔''

قارئین آپ متعہ کی شرائط میں ملاحظہ فرمائیں گے کہ کس طرح فطری تقاضوں کو شرعی طریقہ پر سرانجام دیئے جانے والے اس حلال و جائز فعل کو بدنامی و ذلت کا

لباس پہنایا گیا۔جس کام کو قرآن (4/24) جائز قرار دیتا ہے آج ہم اس کام (فعل) کا نام لینے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔نظام اجتہاد کی قلم کاریاں اور کمال بالائے کمال دیکھئے کہ یہ نظام حلالہ کو حلال قرار دیتا ہے۔جبکہ اس میں بھی مدت کا تعین کیا جاتا ہے۔اس فعل کی کوئی شرعی دلیل، کوئی قرآنی نص موجود نہیں ہے اس لئے صریحاً حرام ہے۔

ان نام نہاد علما کی تنگ نظری، ہٹ دھرمی اور بُغض دیکھیں، انہوں نے نکاح کے علاوہ تَمَتّعُ کو بھی جنسی تعلقات کیلئے نکاح کی طرح جائز قرار دیا ہے اور تمتع کے معنی مباشرت اور مجامعت لکھے ہیں۔یعنی عورت سے مباشرت اور مجامعت کرنے کیلئے عورتوں سے تمتع جائز ہے اور اس تمتع سے پیدا ہونے والی اولاد بھی جائز اولاد ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ **متعہ** اور **تمتع** اور **اِسْتَمْتَعْتُمْ** ایک مصدر سے نکلنے والے الفاظ ہیں اور سب کے ایک معنی ہیں۔یعنی کسی عورت سے تمتع کرنا اور متعہ کرنا ایک ہی فعل کے نام ہیں۔مگر یہ لوگ تمتع کو تا قیامت جائز اور متعہ کو تا قیامت حرام کہتے ہیں اور مانتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے متعہ کو جائز کیا (وسائل و مسائل حصہ 1 صفحہ 265) یہاں تک لکھا کہ ''رسولؐ اللہ نے جنگی میدان میں اپنے سپاہیوں کو وقتی اور عارضی طور پر عورتوں سے شہوانی پیاس بجھا لینے کی جازت دی تھی۔اس میں اور زنا میں کوئی فرق نہیں ہے اور زنا اسلامی قانون میں جرم ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 1 صفحہ 341)

معلوم ہوا کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ نے حرام عارضی طور پر وقتی حیثیت سے حلال کر دیا تھا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

مروجہ نکاح دائمی اور عقد متعہ (نکاح منقطع) اور قرآنی تصور۔

قارئین غور سے سنیں اور یاد رکھیں کہ لفظ نکاح کے ساتھ الفاظ'' دائمی یا دوام یا منقطع یا متعہ'' لگانا اور امت کو الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانا بھی کفار قریش کے لیڈروں اور دانشوروں کی مکارانہ وفریب کارانہ دانشوری تھی۔قرآن کریم میں کوئی نکاح دائمی یا دوامی نہیں ہے اور یہ کہ قرآن میں جنسی تعلقات کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔مگر یہ کہ ہم کفو وہم پلہ رشتہ ازدواج قائم کر کے ایک عمدہ وذمہ دار متقی نسل کی تیاری ہے۔عورت ومرد کی رضامندی خوشنودی اور ذمہ داری اور محنت وفاداری وقربانی وہ سامان ہیں جن پر اس مدت کا دارومدار ہے یہ اتنی دیر کیلئے بھی ہوسکتا ہے کہ لوگ جمع ہوں مولانا آئیں صیغہ پڑھیں۔لڈو یا چھوارے کھائیں اور کھلا کر اٹھنے بھی نہ پائیں کہ طلاق کی سرخ جھنڈی ہلا کر اسی نشست میں بھی دلہن کو نکاح کے ڈولے سے اتار دیا جائے اور وہی مولانا صیغہ طلاق پڑھ دیں اور چند روپے کی اور مزدوری بن جائے گی اور لوگ پوچھتے رہ جائیں کہ:

؎ سنگم ہوگا کہ نہیں؟

نکاح کے بنیادی مقاصد:

ان مقاصد کے حصول کیلئے قرآن میں آزادانہ مذکور شرائط پر نکاح کرنا لازم ہے۔ وہ مقاصد نہایت اختصار کے ساتھ جامع الفاظ میں درج ذیل ہیں۔

1۔ شوہر وزوجہ ایک روح اور دو قالب بن سکیں۔

2۔ محبت، مودت اور سکون وطمانیت کا نمونہ ہوں۔

3۔ معصوم ہدایت وراہنمائی سے (شوہر زوجہ، اولاد، معاشرہ) لامحدود ترقی اور لامحدود حیات حاصل کریں۔

متعہ کی شرائط واصول وقوائد وضوابط۔

مروجہ نکاح (شیعہ سنی دونوں) میں زوجہ کو نکاح ہو چکنے کے فوراً بعد اُسی نشت میں طلاق دینا مرد کے اختیار میں ہے۔ کوئی وقت مقرر نہیں۔ جب شوہر ناپسند کر دے طلاق دے سکتا ہے۔ طلاقیں ہوتی رہتی ہیں۔ یعنی ایک سرمایہ دار شخص روزانہ مہر ادا کر کے طلاق دے کر روزانہ ایک عدد نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر مہر مولانا کی مرضی کے مطابق ہونے لگے تو دن میں دو تین عورتوں کو روز استعمال کر کے رخصت کر سکتا ہے۔ طلاق دینے والا اس کی پرواہ کیوں کرے کہ اب عورتوں کی زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بچے چھوٹ کر تباہ ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کے قوانین کو اگر بالکل بے اثر کرنا ہو تو تین دفعہ طلاق طلاق طلاق کہہ ڈالئے۔

اب نہ ثالث کا جھگڑا نہ صلح کی گنجائش، گھر خالی کرو اور تباہی کے سمندر میں کود جاؤ۔

مزید یہ کہ مہر کا طے کرنا ہی وہ بنیادی معاملہ تھا کہ طاغوت ان معاملات سے نابلد و نااہل تھا۔ نہ ہی وہ یہ طے کر سکتا تھا کہ حق مہر کیا ہوگا اور کتنا ہوگا۔ کیونکہ بنیادی طور پر حق مہر اس معزز خاتون کو معاشی استحکام اور تحفظ دینے کا حق ہی حق مہر کہلاتا ہے اور ان حقوق سے سوائے معصومین صلوٰۃ اللہ کے کوئی آگاہ و واقف نہیں ہوسکتا۔ جس کا عموماً ہر نکاح کے دوران کھلا ثبوت ملتا ہے کہ جب حق مہر پر نکاح خواں پہنچتا ہے تو تمام لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک دوسرے کا منہ تک رہے ہوتے ہیں۔ اور کوئی بھی معاشی ضروریات و استحکام (Financial Status & Needs) سے واقف نہیں ہوتا اور نہ ہی Financial Position متعین کرتا ہے بلکہ الفاظ کا گورکھ دھندہ استعمال کر کے شرعی شرعی حق مہر کا اعلان کرتا ہے۔ مگر اپنی نااہلی و طاغوت ہونے کا اقرار نہیں کرتا۔ اس کے برعکس اگر یہ بندھن معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم کی نگرانی اور ان کے رائج کردہ نظام کے ماتحت ہوں تو امامؑ وقت ہی حقیقی حق مہر متعین کرنے کے مجاز ہوتے۔ نتیجتاً معاشی استحکام و مساوات قائم رہتی اور کسی کا بھی حق تلف نہ ہوتا اور نہ ہی کوئی محرومیوں کا شکار ہوتا۔ ترقی و استحکام و معراج و فلاح انسانیت منتج ہوتی۔

قرآن اور احادیث کی روشنی میں نکاح متعہ کیلئے شرائط واصول وقواعد وضوابط درج ذیل ہیں۔

1۔اُن ہی رسوم وقواعد کے ساتھ جن کی نکاح مروجہ میں ضرورت ہوتی ہے۔متعہ میں بھی وہ سب ضروری ہیں۔اسی لئے متعہ کو نکاح متعہ کہتے ہیں۔

2۔فرق صرف اس قدر ہے کہ متعہ میں مقررہ مدت کیلئے عورت ومرد نکاح کرتے ہیں۔اور اس مدت کے ساتھ ہی یہ نکاح ختم یا منقطع ہو جاتا ہے۔اسی بنا پر اس کو نکاح منقطع بھی کہتے ہیں ۔

3۔متعہ میں مقررہ مدت کو کم یا زیادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

4۔مگر جو کچھ کیا جائے گا اس میں عورت و مرد دونوں کی قلبی رضامندی اور ذمہ داری کے ساتھ کیا جائے گا۔

5۔کسی معاملہ میں مرد کو عورت پر کوئی حکم یا شرط ٹھونسنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

6۔جنسی تعلق مالی ذمہ داری لینے اور مال خرچ کرنے کی شرط پر منحصر رہیگا۔

7۔نکاح میں مرد آوارہ مزاجی اختیار نہ کرے گا۔

8۔بلکہ جنسی ضرورت پورا کرنے میں قرآن کا پابند رہے گا۔

9۔عورت سے جنسی تعلقات پیدا کرتے ہی مقررہ اُجرت ادا کردے گا اور اس کے بعد عورت اور مرد دوسرے الفاظ میں اب شوہر و زوجہ آپس میں رضامندی

سے سابقہ مقررہ اور فرض شدہ صورت حال میں تبدیلی اور بقا کیلئے برابر کے مختار ہیں۔یعنی وہ چاہیں تو اُجرت اور تعلقات کی مدت گھٹا لیں۔ بڑھا دیں، منقطع کر لیں لیکن اللہ کے علم وحکمت کے خلاف کوئی فعل یا نتیجہ برآمد نہ ہونے دیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے دوسرے احکام کی خلاف ورزی وقوع میں نہ آئے۔ اولاد کی پرورش، تربیت، میراث اور دیگر متعلقین کے حقوق پر ضرب نہ پڑے۔ ہے کوئی جو اس کے خلاف قرآن کریم سے دلیل وآیات پیش کر کے نظیر ومثال دکھائے؟ رہ گیا وہ جنسی تعلق جس کا نام مجتہدین نے ''متعہ'' رکھ لیا ہے۔ وہ متعہ ایران وعراق میں ہوتا رہتا ہے۔ ہمارے علم ویقین میں وہ مجتہدین کا جائز کیا ہوا ہے مگر قرآن سے اسے جواز نہیں ملتا وہ حرام ہے زنا ہے۔اس میں نسل و پارسائی اور سلسلہ وراثت کا سراسر فقدان ہے اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایسی عورت سے متعہ کرے جو اس کے باپ کی مدخولہ ہو۔

10۔متعہ محض ایک دوسرے کے محرم بننے اور دوستوں کی طرح ساتھ رہنے کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے تا کہ عادات اور تصورات پر اطلاع کے بعد جنسی تعلق کو باقاعدہ قائم کر لیا جائے اور دونوں ایک دوسرے کے صحیح رفیق حیات بن سکیں۔

11۔اس میں مقررہ وطے شدہ مہر پہلے ادا کیا جاتا ہے۔

12۔اولاد کی پرورش، تربیت کی ذمہ داری قبول کرنا پڑتی ہے۔

13۔مدتِ مقررہ ختم ہونے سے پہلے اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو زوجہ اور بچے

باقاعدہ وصیت اور ورثہ کے حقدار ہوتے ہیں۔

14۔متعہ اپنے ہم پلہ (کفو) عورت سے کیا جاتا ہے۔

15۔آوارہ اور بدچلن عورتوں سے نہ نکاح جائز ہے نہ متعہ ہوسکتا ہے۔پیشہ ور عورتیں جنسی تعلق کے لئے حرام ہیں۔

16۔نکاح کی طرح متعہ کا ریکارڈ بھی حاکم وقت کے یہاں رکھا جاتا اور کسی خلاف ورزی پر مواخذہ لازم ہے۔

17۔عورت مختار ہے جتنا چاہے مہر حاصل کر کے اپنے علیحدہ اکاؤنٹ میں رکھے۔قلیل مدت کیلئے وہ اتنا مہر مانگ سکتی ہے کہ اس کی باقی زندگی یا اس کا مستقبل شان سے گزر سکے۔

18۔متعہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی عورت کو اُس مدت کیلئے اس کے تمام اخراجات کیلئے طے شدہ رقم ادا کرنا ہوگی۔جس مدت میں حمل کا ہونا یا نہ ہونا ثابت ہوسکے۔

19۔حمل نہ ہونے کی صورت میں عورت فارغ اور مختار ہے جس طرح طلاق شدہ عورت فارغ اور مختار ہوتی ہے۔عدت کی مدت پینتالیس دن ہوگی اگر مرد وفات پاجائے تو عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔

20۔لیکن اگر حمل ہو تو شوہر کو وضع حمل تک طے شدہ اخراجات ادا کرنا ہوں گے۔

21۔جنسی تعلق دوبارہ قائم کرنے میں پھر سابقہ شرائط اور مہر لازم ہوگا۔

22۔متعہ کی مدت کے دوران عورت کسی اور مرد سے متعہ یا نکاح نہیں کرسکتی۔

23۔وضع حمل کے بعد اگر عورت و مرد دونوں رضامند ہوں تو دودھ پلانے کے اڑھائی سال تک طے شدہ اُجرت ادا کرنا پڑے گی۔

24۔اب عورت جس سے جائز ہو متعہ نکاح کرسکتی ہے۔

25۔بچہ ہمیشہ مرد کے خاندان سے متعلق رہے گا۔اور جائز وارث ہوگا۔

26۔متعہ والی عورت کو ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

27۔کنواری (باکرہ) لڑکی سے متعہ اسکے والد کی اجازت سے جائز ہے۔

28۔یعنی ایک دفعہ، صرف ایک گھنٹہ اور ایک رات کے لئے بھی مندرجہ بالا پابندیوں اور شرائط کے ساتھ متعہ جائز ہے۔

متعہ عام مروجہ نکاح سے کہیں بڑھ کر فرائض کی ادائیگی، حقوق کی پابندی اور ذہنی آسودگی فراہم کرتا ہے۔صحت مند، ترقی پذیر جائز اولاد اور معاشرہ کی امید دلاتا ہے، اور وہ تمام صورتیں جو مندرجہ بالا **جملوں قوانین وضوابط کے علاوہ ہوس پرست لوگوں نے گھڑ کر رسولؐ اللہ یا آئمہ علیھم السلام کے نام سے پیش کی ہیں وہ ازسرتا پا تہمتیں ہیں۔** یہ ان لوگوں کی باتیں ہیں جنہوں نے بردہ فروشی کو جائز رکھا۔مشرک عورتوں کو جنگ میں گرفتار کر کے شوہر دار ہوتے ہوئے بلا عدت استعمال کرنا اور فروخت کر ڈالنا جائز بتایا ہے اور بڑے بڑے شرمناک قسم کے جنسی اور غیر فطری تعلقات کو اللہ و رسولؐ کے نام پر جائز کیا ہے اور خوب کھل کر

اُن ننگِ انسانیت بداعمالیوں کو انجام دیا ہے اور لوگوں کو اُن بداعمالیوں پر ثواب ملنا بتایا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایک شریف آدمی کے ذہن میں جتنی بُری باتیں آسکتی ہیں۔ سب کے جائز ہونے کا فتویٰ مل جاتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔

قائین کی خدمت میں عرض مکرر ہے کہ دونوں قسم کے نکاحوں کے اغراض و مقاصد ایک جیسے ہیں۔ یعنی شوہر و زوجہ کا ایک روح اور دو قالب بن جانا، محبت و مودت اور سکون و طمانیت کا نمونہ بن جانا اور معصومؑ ہدایات و راہنمائی سے لامحدود ترقی اور لامحدود حیات حاصل کرنا، نیک و پاکیزہ معاشرہ پروان چڑھانا۔ لیکن متعہ صنف نازک کو زیادہ اعتماد اور حفاظت مہیا کرتا ہے۔ آپس میں نرم دلی اور اعتدال پیدا کرتا ہے۔ وہ نکاح جس میں کسی مدت کا ذکر نہیں ہوتا ناجائز نہیں ہے، بشرطیکہ:

1۔ تاحیات زوجہ کو زوجیت میں رکھنے اور اسلامی سلوک کرنے کا پہلے دن سے یقین دلا کر ذمہ داری گلے میں لٹکالی جائے اور نکاح نامہ میں لکھوالیا جائے کہ میں کسی حالت میں طلاق نہ دوں گا اور غیر انسانی اور غیر شریفانہ سلوک نہ کروں گا۔ یا

2۔ دونوں یہ طے کریں کہ ہم ایک دوسرے کی رضامندی اور خوشی کے بغیر نکاح کو منقطع نہ کریں گے۔

وہ علما جو نکاح کو دائمی کہتے ہیں انہیں تو ان دونوں شرطوں کو خوشی سے قبول کرنا چاہیے (دیدہ باید)۔ بہرحال نکاح دونوں کی رضامندی اور خوشی پر منحصر

ہے۔ دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے کے ساتھ ناپسندیدہ سلوک کا ہرگز اختیار نہیں۔ لیکن مروجہ نام نہاد دائمی نکاح کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جہاز یا کشتی کے مسافروں کو سمندر یا دریا کے وسط میں اتر جانے پر مجبور کر کے اتار دے۔ صرف اس لئے کہ وہ کشتی کا مالک ہے اور یوں اُتارے جانے والوں کو کچھ روپے بھی دینے کو تیار ہے۔ ایسی ہی طلاق تھی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حرام کیا اور زنا کرانے کے برابر فرمایا تھا۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات:

تفسیر احسن التعبیر جلد اول، (سید محمد احسن زیدی مجتہد، ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس)
مذہب و مناکحت، (سید محمد احسن زیدی مجتہد، ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس)
شریعت (سید محمد احسن زیدی مجتہد، ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس)
ہم متعہ کیوں کرتے ہیں (عبدالکریم مشتاق)
احکام دین بزبان چہاردہ معصومینؑ۔
متعہ کے احکام (مسائل الشریعہ ترجمہ وسائل الشیعہ (الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملی)